نیکی اور بدی کا ازلی مقابلہ

اور ہماری ذمہ داریاں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ / اگست ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل قرآنی آیات تلاوت کیں:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (ھود: ۱۱۵-۱۱۷)

اور پھر فرمایا:

عبادت الٰہی کے مختلف مقاصد ہیں اور مختلف فوائد انسان کو پہنچتے ہیں۔ تعلق باللہ اس کا ایک پہلو اور تعلق بالعباد دوسرا پہلو ہے۔ نماز تعلق بالعباد میں سب سے بڑا فائدہ یہ دیتی ہے کہ معاشرہ میں خوبیاں پیدا کرتی اور برائیاں دور کرتی چلی جاتی ہے اور معاشرہ روز بروز پہلے سے بڑھ کر دلکش،

خوبصورت اور دلربا ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس مقصد کے پیش نظر بھی بڑی ذمہ داری سے نماز ادا کرو اس امید پر کہ تمہاری عبادتوں کے نتیجہ میں بالآخر تمہارا معاشرہ نہایت حسین اور جنت نما بن جائے۔ فرماتا ہے نماز کو دن کے دونوں کناروں پر کھڑا کرو۔ جس طرح حفاظت کے لئے فوجیں مقرر کی جاتی ہیں اس طرح کا نقشہ کھینچا ہے کہ نمازوں سے اپنے دن گھیر لو اور راتوں کو بھی اٹھو اور خدا کی عبادت کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نیکیوں میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ نماز کے نتیجہ میں تعلق باللہ اور اخروی فائدہ کے علاوہ اس دنیا میں بھی انسان کو جو نمایاں فائدہ پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں اور اس کے معاشرہ میں حسن پیدا ہونے لگ جاتا ہے اور بدیاں دور ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور یہ اٹل اور ازلی ابدی قانون قدرت ہے اس میں آپ کبھی کوئی تبدیلی نہیں دیکھیں گے کہ حسنات سے برائیاں دور ہوتی ہیں۔ قرآن کریم کا یہ طرز کلام دنیا کے عام تصور سے بالکل مختلف ہے یہ نتیجہ کہ حسنات برائیوں کو دور کرتی ہیں عام انسانی فہم نے جو نتیجے اخذ کئے ہیں یہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کوتاہ نظر انسان عام طور پر غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ بدیاں زیادہ طاقتور اور نیکیاں کمزور ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بدی اس میں راہ پا گئی اور جوں جوں بدی داخل ہونا شروع ہوئی اس نے نیکی کو دھکیل کر باہر کرنا شروع کیا۔

قرآن کریم حیرت انگیز عقل و دانش کی ایک ایسی کتاب ہے کہ جو انسانی فطرت کی غلطیوں کی اصلاح کے ساتھ اس کے اخذ کئے ہوئے نتیجوں کی درستی کرتی ہے اور پھر اسکی صحیح راہنمائی بھی فرماتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حسنات طاقتور ہیں اور بدیاں کمزور ہیں۔ وہ قومیں جن میں تم بدیاں دیکھتے ہو دراصل ان میں پہلے خوبیاں اور حسنات غائب ہونا شروع ہوئیں۔ چونکہ خلا نہیں ہوسکتا اس لئے حسنات کے نہ ہونے کے نتیجہ میں لازماً بدیاں اس کی جگہ پہنچ جاتی ہیں۔ انسانی فطرت خلا میں نہیں رہ سکتی۔ انسانی مزاج بغیر کسی چیز کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب نیکیاں موجود رہتی ہیں وہ حفاظت کرتی ہیں اور بدیوں کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں۔ بدیاں تو ایک منفی پہلو ہے جیسے روشنی کے مقابلے پر اندھیرا ہے۔ اگر روشنی نہیں ہوگی تو اندھیرے نے تو آنا ہی ہے۔

روحانی دنیا کی یہ سائنٹفک کتاب حیرت انگیز طور پر ایسی ایسی اصطلاحیں استعمال فرماتی ہے اور ایسے ایسے مضامین پر روشنی ڈالتی ہے کہ انسانی عقل وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ قرآنی نقطہ نگاہ کا علم ہو

جانے کے بعد جب آپ تدبر اور غور کریں تو آپ قرآنی بیانات کو حیرت انگیز طور پر سچا پائیں گے۔ پس یہ بنیادی بات ہے کہ نیکی ایک مثبت پہلو ہے اور بدی نیکی کے فقدان کا نام ہے۔ جوں جوں نیکی کم ہوگی بدی زیادہ ہونی شروع ہو جائے گی۔ یہ ناممکن ہے کہ نیکی موجود ہو اور پھر بدی اندر داخل ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اگر معاشرہ کی اصلاح چاہتے ہو تو نیکیوں میں سے سب سے اعلیٰ نیکی اختیار کرو، عبادات قائم کرو اور عبادات سے اپنے اوقات کو گھیر لو اور کوئی گنجائش بھی باقی نہ چھوڑو جہاں عبادت کا پہرہ نہ لگا ہو۔ عبادتیں جو حسن عطا کریں گی وہ تمہاری برائیوں کے دور کرنے کا ذمہ دار ہو جائے گا۔ یہ اس کلام کا خلاصہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنایا ہے۔ اگر آپ مزید غور کریں تو دو قسم کے نمازی نظر آئیں گے۔ ایک وہ جو نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کے معاشرہ کی بدیاں دور نہیں ہو رہی ہوتیں اور دوسرے وہ جو جتنا خدا کے قریب ہوتے ہیں اتنا ہی ان میں پاک تبدیلیاں ہونے لگتی ہیں، ان کی کایا پلٹ جاتی ہے، ان کے مزاج کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے یہاں تک کہ ان میں قوت جذب پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے قرب سے آپ لذت محسوس کرتے ہیں، ان کی صحبت میں آپ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں اور ان سے کسی قسم کے شر کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں یہ امید رہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی خیر کی بات ان سے پہنچے گی۔ یہی وہ عابد ہیں جو حقیقی اور سچی عبادت کرتے ہیں اور جس کا ثبوت وہ ظاہری علامتیں ہیں جو اس دنیا میں ہی ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ورنہ عبادت کے باوجود اگر برائیاں موجود رہیں تو لازماً وہ عبادتیں جھوٹی ہیں اور ان میں کوئی رخنہ اور کمزوری پیدا ہو گئی ہے کیونکہ قرآن کریم واضح طور پر اعلان کر رہا ہے کہ عبادت حسنات میں سے ایک اعلیٰ درجہ کی حسنہ ہے اور عبادت کے ہوتے ہوئے لازماً تمہاری برائیاں کم ہونی شروع ہو جانی چاہئیں، جیسے کسی برتن میں تیل ہو اور اس میں پانی ڈال دیا جائے تو وہ تیل کو دھکیلنا شروع کر دیتا ہے کیونکہ وہ زیادہ وزنی ہے اور اگر آپ برتن مکمل طور پر پانی سے بھر دیں تو پورا تیل باہر نکل جائے گا۔

پس نیکیوں میں ایک وزن ہے اور باقی رہنے کی صلاحیت ہے، ان کے ہوتے ہوئے برائیوں کے مقدر میں لازماً فرار ہے۔ چنانچہ اسی لئے قرآن کریم مختلف پہلوؤں سے اس حقیقت کو کھولنے کے لئے مختلف طریق اختیار فرماتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۲﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱)

حق اور حسنہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ فرماتا ہے کہ دیکھو حق آیا ہے اور باطل بھاگ گیا ہے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کبھی حق آئے اور پھر بھاگ جائے یہ ناممکن ہے کیونکہ فرمایا اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا باطل کی فطرت میں حق کے مقابل پر بھاگنا ہے، اس کی ساخت ہی ایسی ہے کہ لازماً اسے حق کے مقابل پر بھاگنا ہی بھاگنا ہے جس طرح روشنی کے مقابل پر اندھیرے کے لیے فرار کے سوا اور کچھ ممکن نہیں قرآن کریم حسنہ اور حق کی جو تعریف بیان فرماتا ہے وہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ایک مثبت تعریف ہے چنانچہ دوسری جگہ فرماتا ہے:

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ (الرعد: ۱۸)

بدیاں اور بے معنی باتیں تو جھاگ کی طرح ہوا کرتی ہیں ان میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ باقی رہنے والی چیزیں ہیں۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ وہ صفات حسنہ جو بنی نوع انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کی گئی ہیں ان میں باقی رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔

قرآن مجید کے اس مضمون پر بعض سطحی نظر رکھنے والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے تو دنیا میں اس سے برعکس نظارہ دیکھا ہے۔ دنیا میں مختلف مذاہب آئے اور چلے گئے۔ ہر دفعہ جب وہ غالب آنے کے بعد پیچھے ہٹے اور وہ زمینیں جہاں ایک دفعہ غلبہ نصیب ہوا تھا ان سے جاتی رہیں تو بدیوں نے پھر وہیں راہ پالی اور گویا بدیوں کا دوبارہ راج شروع ہو گیا لہٰذا ہر نیکی کی لہر عارضی طور پر آتی ہے اور پھر چلی جاتی ہے اور اس دنیا میں مستقل طور پر بدیاں ہی بسیرا کرتی ہیں اور ڈیرا ڈالتی ہیں۔ تاریخ انسانی کے سرسری مطالعہ کی بنا پر سطحی نظر کا انسان کہتا ہے کہ پھر اس صورت میں اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ کا کیا مفہوم ہوا جبکہ بظاہر تو یہ نظر آتا ہے اِنَّ السَّيِّاٰتِ يُذْهِبْنَ الْحَسَنٰتِ کہ بالآخر بدیوں نے ہی نیکیوں کو دھکیل کر باہر کیا ہے اور نیکیوں نے بدیوں کو نہیں دھکیلا۔

یہ مضمون دو طرح سے غلط ثابت ہوتا ہے اگر چہ سرسری نظر اور تاریخی مطالعہ میں تو بظاہر یہی حقیقت نظر آ رہی ہے مگر قرآن کریم کا دعویٰ لازماً سچا ہے اور عقل انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس صورتحال کا مزید تجزیہ کیا جائے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ قرآن کا دعویٰ ہی سچا ہے۔ ہمارے

مشاہدہ نے ہی غلطی کی تھی۔

سب سے پہلی بات ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ نیکی نبوت کے آنے سے داخل ہوتی ہے اور بظاہر اتنی کمزور حالت میں کہ اگر بدی میں کچھ بھی وزن ہوتا تو ناممکن تھا کہ نیکی راہ پا جاتی یعنی غلبہ برقرار رکھنے کے تمام محرکات اور سامان بدی کے پاس ہوتے ہیں اور وہ معاشرہ کے انگ انگ میں رچ بس جاتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے نقشہ کھینچا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:۴۲)

کہ دیکھو! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تو ایسے وقت تشریف لائے کہ گویا نیکی کے لیے پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی، خشکی میں نہ تری میں۔ بعض دفعہ ایک گندا تنا پھیل جاتا ہے کہ درحقیقت پاؤں رکھنے کی بھی گنجائش نہیں رہتی تو قرآن کریم یہ فرماتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس وقت مبعوث ہوئے جبکہ نیکی کے لیے ایک چپہ کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ ان حالات میں نیکی نے پھیلنا شروع کیا اور اس کی زمینیں بڑھنے لگیں اور بدی سمٹنے لگ گئی جبکہ وہ تمام ذرائع اور محرکات جو عرف عام غلبہ کے ذرائع کہلاتے ہیں اور جن کے نتیجہ میں تسلط ہوسکتا ہے وہ سارے نہ صرف بدی کو حاصل تھے بلکہ اس نے نیکی کو مکمل طور پر باہر نکال دیا تھا، ایسی کمزور حالت میں نیکی کا نفوذ ہوا کہ اس کے پنپنے کی بظاہر کوئی وجہ نہ تھی اور یہ غلبہ کسی فوج، گروہ یا کسی جبر کی تعلیم سے نہیں ہوا۔

اگر آپ ان واقعات اور شواہد کو جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں بدی کی تائید کر رہے تھے ایک کمپیوٹر میں ڈال دیں اور دوسری طرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغام اور طرز عمل، اور یہ بھی ساتھ لکھ دیں کہ یہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ ہر دلعزیز تھا مگر اس دعویٰ کے بعد کہ میں نیکی کی تعلیم دوں گا اور نیکی کے زور سے بدی ختم کردوں گا، قوم میں سب سے زیادہ مغضوب ہوگیا، اس کے اپنے عزیزوں نے اسے چھوڑ دیا اور رشتہ داروں نے اس سے منہ موڑ لیا، اس کے تمام ساتھی اور مداح، سب پیچھے ہٹ گئے اور ساری دنیا میں بدی کامل طور پر غالب آ گئی، کیا نتیجہ نکلنا چاہئے؟ ہر بار کمپیوٹر یہ جواب دے گا کہ چونکہ نیکی شکست کھا چکی ہے اس لئے نیکی کے غالب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا لیکن اس کے برعکس کیا واقعہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۵﴾ (الانبیاء:۴۵)

یہ بیوقوف جو اپنے غلبہ پر اترا رہے ہیں اور بلند بانگ دعاوی کر رہے ہیں کہ ہماری طاقت کے مقابل پر اس نیکی کی کمزور حالت پنپ کس طرح سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیوں نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی زمین تنگ کرتے چلے جا رہے ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی زمین کو بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ دن بدن ان کی زمینوں کے کنارے کٹ کٹ کر محمد رسول اللہ ﷺ کی زمین میں داخل ہو رہے ہیں۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ وہ کیسے غالب آ جائیں گے جن کی زمینیں تنگ ہو رہی ہیں۔

پس نیکی اس وقت داخل ہوتی ہے جبکہ سارے Odds یعنی انگریزی محاورہ کے مطابق تمام وہ محرکات جو مقابلہ میں فیصلہ کن ہوا کرتے ہیں وہ بدی کے حق میں ہوتے ہیں۔ قرآنی بیان کے مطابق ایک ہی چیز ہے جو نیکی کے حق میں ہوتی ہے اور وہ یہ اٹل اور ازلی ابدی قانون ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ کہ نیکیاں ایک مثبت طاقت ہیں منفی اثرات نہیں اور جب یہ مثبت طاقتیں داخل ہونا شروع ہوتی ہیں تو منفی طاقتیں لازماً وہاں سے ہٹنے لگ جاتی ہیں۔ پھر جب وہ قومیں جو اپنی مثبت طاقتوں کی حفاظت نہیں کرتیں وہ پہلے نیکیوں کو چھوڑنا شروع کرتی ہیں بعد میں بدیاں ان میں راہ پا جاتی ہیں۔ جب تک نیکیاں موجود ہوں بدی کی مجال نہیں کہ وہ راہ پا جائیں۔ ایک تو یہ نقطہ نگاہ ہے جب آپ اس کا تجزیہ کریں تو وہ فلسفیانہ خیال باطل نظر آتا ہے کہ ہمیشہ بدی غالب آئی نیکی غالب نہیں آئی۔ دوسرا یہ کہ جب آپ تاریخ انسانی کا مطالعہ ایک گراف کی شکل میں کریں اس صورت میں کہ ہر تہذیب کے بعد اگلی تہذیب جب آئی تو اس کا کیا مقام تھا، اس کے بعد اگلی تہذیب آئی تو اس کا کیا مقام تھا؟ یہ دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ بظاہر نیکیاں شکست کھا کر چلی گئیں ہیں لیکن اس کے باوجود ہر منزل پر کچھ باقی رہنے والی ایسی صلاحیتیں چھوڑ گئیں ہیں جنھوں نے انسان کے اخلاقی معیار کو بلند تر کیا ہے نیچے نہیں گرایا۔

پتھر کے زمانہ کا انسان یا وہ جس نے بعد میں اس دنیا میں رہنا سہنا سیکھا اس وقت اس کی بہیمانہ حالتیں اتنی خطرناک تھیں کہ اس زمانہ کے مذہبی اور تہذیبی تصورات آج کل کے مقابل پر بہت زیادہ بہیمانہ ہیں۔ جب نبیوں نے انہیں تہذیب سکھائی تو نبیوں کے بعد رفتہ رفتہ وہ پھر بدیوں کی طرف مائل ہوئے لیکن پہلی حالت تک نہیں گرے۔ پھر آنے والی لہر انہیں پہلے سے بلند مقام پر چھوڑ گئی۔ چنانچہ آزادی اور انسانی حقوق کا جو آج تصور ہے اس کا عشر عشیر کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی آج سے دو چار ہزار

سال پہلے موجود نہیں تھا۔ بدی کے باوجود انسان پر بدی ویسی قدرت اختیار نہیں کر سکی ویسا قبضہ نہیں جما سکی جیسا اسے پہلے حاصل تھا کیونکہ کچھ نہ کچھ نیکیاں باقی رہ جاتی ہیں جو بدیوں کو اندر نہیں آنے دیتیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ یونیورسٹی آف لندن میں ایک عیسائی نے مجھ پر اعتراض کیا کہ دیکھو! تم بڑے دعوے کرتے ہو کہ محمد رسول کریم ﷺ نے کایا پلٹ دی اور یہ کر دیا اور وہ کر دیا جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ چند سال بعد وہ حال ہوا ہے اور تمہاری آپس میں وہ لڑائیاں ہوئی ہیں کہ ساری اخوت جاتی رہی، تہذیب و تمدن کی ساری باتیں ختم ہو گئیں اور قصہ بن گئیں جنہیں تم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اچھالتے ہو اور ہم پر اپنی برتری ثابت کرتے ہو۔ وہاں کے لوگ اعتراض تو کرتے ہیں لیکن کج بحث نہیں ہوتے۔ اس سے میں نے کہا کہ تم نے صرف سطحی مطالعہ کیا ہے۔ تم مقابلہ کر رہے ہو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اپنے زمانہ کا آپؐ کے بعد زمانہ سے۔ میں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہونے اور نہ ہونے میں کوئی فرق نظر نہ آئے۔ آپؐ کی اتنی عظیم الشان روحانی قوت تھی، ایسا عظیم وجود تھا کہ گویا نیکیوں کا ایک عظیم الشان سورج طلوع ہو چکا تھا، اس وجود کے ہونے یا نہ ہونے میں کوئی فرق دکھائی نہ دے، یہ بات عقل کے خلاف ہے اور بیوقوفوں والا تصور ہے۔ پس آپ جو دعویٰ کر رہے ہیں اس کا حل یہ ہے کہ آپ رسول کریم ﷺ کے پہلے زمانے کا آپؐ کے بعد کے زمانہ سے مقابلہ کر کے دیکھیں۔ جس وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عرب میں قدم رکھا تو عرب کی کیا حالت تھی؟ اسے اٹھایا اور بڑی بلندیاں عطا کیں، جب چھوڑ کر گئے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ دوبارہ وہ اپنے مقام سے گر گئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کا معاشرہ اتنا نہیں گرا جتنا پہلے حالت تھی۔ بلکہ عرب کی پہلی حالت کے مقابل پر جب آپ دیکھتے ہیں تو وہ اوج ثریا پر قدم رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کہاں جاہل عرب اور کہاں امیہ کا دور، کہاں جاہل عرب اور کہاں عباسیوں کا دور، ہمیں وہ دور اس لئے دکھ دیتا ہے کہ ہم اسے حضرت محمد رسول کریم ﷺ کے زمانہ پر رکھ کر دیکھتے ہیں تو وہ دور داغ داغ نظر آتا ہے جس سے بڑی تکلیف پہنچتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے جو کچھ عطا کیا وہ سب کچھ زائل نہیں ہوا، ہزاروں سال بھی اسے ضائع نہیں کر سکے۔ آج چودہ سو سال گزر چکے ہیں لیکن آج بھی مسلمانوں میں ایسی خوبیاں جاری ہیں کہ گرے پڑے بھی وہ باقی قوموں کے مقابل پر ان خوبیوں میں بہتر ہیں۔

آنحضرت ﷺ عربوں میں بعض ایسی خوبیاں داخل کر گئے کہ آج وہ اسلام سے اگر چہ

بہت دور چلے گئے ہیں لیکن پھر بھی وہ خوبیاں ان کی حفاظت کر رہی ہیں اور بعض معاملات میں تو مسلمان دوسروں کے مقابل پر نمایاں نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے ظلم کرنے کی طاقت چھین لی ہے۔ بعض اوقات ایک مسلمان بظاہر ظلم کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اسے ظلم تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ہمیں وہ اس لئے ظلم نظر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصاف کا معیار بہت بلند کر دیا ہے۔ کہاں ہندوؤں کا ظلم کہاں سکھوں کے مظالم اور کہاں ان قوموں کا حال جو ایک دوسرے پر ظلم کرتی ہیں اور کہاں وہ ظلم جسے ہم ظلم کہتے ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعض ماننے والے اپنے ساتھیوں پر یا جن سے وہ روٹھ چکے ہوں کرتے ہیں جو ہمیں تو ظلم نظر آتا ہے لیکن دنیا کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

پس حضور اکرم ﷺ کا ہی احسان ہے کہ وہ حسنات جو آپ ﷺ نے پیدا کی تھیں وہ کلیۃً غائب نہیں ہوئیں، جتنی رہی ہیں اس حد تک ان میں بدی داخل نہیں ہو سکی اور نبوت کی ہر لہر جو دنیا میں آئی اس نے انسان کو پہلے سے بلند تر مقام پر چھوڑا ہے اور کچھ ایسی نیکیاں پیچھے چھوڑیں جن میں وزن تھا اور باقی رہنے والی تھیں اور بدیوں کو کبھی بھی ان پر یلغار کر کے پوری طرح مغلوب کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ یہ ہے انسانی تہذیب کا ماحصل کہ ہر تاریخی دور اپنے سے بہتر دور چھوڑ کر گیا اور پھر ہر آئندہ آنے والا دور اپنے سے بہتر حالت چھوڑ کر گیا ہے۔ اس تمام تدریجی ترقی کا راز نبوت ہے۔ ہر دفعہ نبوت ہی کے ذریعہ انسان کی تعلیم و تربیت ہوئی ہے۔

پس آج بھی اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ کا مضمون جاری ہے، آج بھی احمدیوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو حسنات عطا ہوئیں اور جن کے نتیجہ میں ہماری بدیاں دور ہونی شروع ہوئیں یہ بھی نبوت ہی کی برکت ہے۔ ہم میں اور غیروں میں کیا فرق ہے؟ یہی تو فرق ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے فیض نبوت سے وابستہ ہو چکے ہیں جب کہ بہت سے لوگ اس کا انکار کر چکے ہیں۔ ہم اس دور میں داخل ہوئے ہیں جہاں حسنات بدیوں کو دور کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کے ساتھ بڑی قوت سے چمٹے رہیں اور تاریخ انسانی سے سبق حاصل کریں۔ جب بھی آپ میں مثبت نیکیاں کم ہونی شروع ہو جائیں گی لازماً آپ میں بدیاں داخل ہونا شروع ہو جائیں گی اور جب بدیاں داخل ہو جائیں تو محض یہ تعلیم کہ بدیاں چھوڑ دو یہ کسی کام نہیں آئے گی۔ کبھی کوئی کسی کے

کہنے سے بدیاں نہیں چھوڑا کرتا۔ ہاں اگر کوئی قوم نیکیاں اختیار کرے تو بدیاں خود بخود زائل ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے اس وقت جماعت احمدیہ کا یہ معیار ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہت بڑا احسان ہے کہ ایسے انسانوں کی ایک جماعت پیدا کر دی جو نیکی کی باتیں زیادہ سنتی ہے اور اس پر جلد عمل کرتی ہے اور برائیوں کے خلاف ان میں ایک طبعی اور فطری بغاوت پیدا ہو چکی ہے لہذا منافقوں اور مخالفین جماعت کو بہت کوشش اور جدوجہد سے احمدیوں میں برائیاں داخل کرنی پڑتی ہیں۔ دفاع کی طاقت از خود پیدا ہو گئی ہے اور یہ دفاع کی طاقت نیکیوں کا طبعی نتیجہ ہے۔ جب تک نیکیاں آپ میں رہیں گی دفاع کی طاقت بھی موجود رہے گی۔ جب نیکیاں ختم ہوں گی تو یہ دفاع کی طاقت بھی خود بخود ختم ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۲)

کہ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ نہ تو بدیاں پیدا کرتا ہے اور نہ انہیں یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی قوم میں راہ پا جائیں لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ قوموں کو جو نعمتیں عطا ہوئی ہیں انہیں خدا تعالیٰ ہرگز تبدیل نہیں کیا کرتا یہاں تک کہ يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وہ خود تبدیل کر دیں اور جو انہیں حاصل ہوا ہے اسے چھوڑنا شروع کر دیں۔

پس یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ آپ نیکی کی بات سنتے اور اس پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں اس کی برعکس صورت جب پیدا ہوتی ہے تو قومیں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں۔ جب قومیں تنزل کی حالت میں ہوتی ہیں تو صورت حال بالکل مختلف ہوتی ہے۔ وہ نیکی کی باتیں سنتے ہیں اور عمل نہیں کرتے، بدی کی باتیں سنتے ہیں اور دوڑ دوڑ کر عمل کرتے ہیں۔ پس اپنا یہ امتیاز قائم رکھیں۔

گزشتہ چند خطبات میں جو تحریکات کی گئی ہیں اور عبادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس سے متعلق مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کا نمایاں اثر نظر آ رہا ہے۔ لوگ بکثرت ربوہ کی مساجد میں آ رہے ہیں اور بعض جگہ سے یہ اطلاع بھی ملی کہ مساجد بھر بھر کر چھلکنے لگ گئی ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی پیاری تصویر ہے کہ یہاں کی مسجدیں چھلک رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس خوبی کو جاری رکھے اور قائم و دائم رکھے کہ جماعت احمدیہ نیکی کی باتیں سنے اور اس پر عمل کرے لیکن وقتاً فوقتاً اپنی نیکی آزماتے

رہا کریں، کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا کریں کہ کہیں یہ سونے کی جگہ پیتل یا تانبا تو نہیں ہے۔ اس کی پہچان خدا تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ اگر نیکی اور عبادت سچی ہے تو تمہاری دوسری برائیاں دور ہونی چاہئیں۔ محض نماز قائم کرنا یہ کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ از خود تمہارے اندر دوسری برائیاں کم نہ ہونی شروع ہو جائیں۔ جب وہ کم ہوں گی تب خدا کہے گا کہ ہاں واقعی تم عبادت کرتے ہو ورنہ نہیں۔

ہمارے معاشرہ میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں موجود ہیں جن سے بعض احمدی بھی متاثر ہو چکے ہیں۔ ان میں سے دو چیزوں کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ عبادت میں ترقی کریں اور کوشش اور جدوجہد اور دعا کریں کہ اے اللہ تعالیٰ! یہ برائیاں ہم سے دور فرما دے۔ ایک ان میں سے بیہودہ سرائی، لغو کلام اور گالی گلوچ سے اپنی زبان گندا کرنا ہے۔ معاشرہ اتنا گندا ہو چکا ہے کہ بچے ماں باپ کو اور ماں باپ بچوں کو ماں بہن کی گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور بات بات پر بددعائیں دیتے ہیں۔ اس قدر ظالمانہ معاشرہ ہے کہ زمیندار اپنے جانوروں کو جن پر اس کا گزارہ ہے موت کی دعائیں دیتا ہے اور وہ کمہار جس کا رزق گدھوں سے وابستہ ہے وہ ہر موڑ پر گدھے کو کہتا ہے کہ تو مر اور دفع ہو۔ جہاں ایسا گندا معاشرہ ہو چکا ہو وہاں جب تک آپ اپنے اندر بعض خوبیاں پیدا نہیں کریں گے یہ برائیاں آپ میں ضرور راہ پا جائیں گی۔

ذکر الٰہی زبان کو ناپاکی سے بچانے کے لئے متبادل خوبی ہے اس لئے ذکر سے اپنے منہ کو معطر رکھیں تو بدیاں، گالی گلوچ، فحش کلامی خود بخود دور ہونی شروع ہو جائے گی۔ محض آپ کسی کو کہیں کہ گالیاں نہ دو تو وہ اس بری عادت کو نہیں چھوڑے گا لہذا اسے ذکر الٰہی اور درود شریف کی طرف توجہ دلائیں۔ اسے کہیں کہ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کی کوشش کیا کرو اور آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا کرو اور سوچ سمجھ کر ایسا کیا کرو۔ جس شخص کو یہ عادت پڑنی شروع ہو جائے گی تو جس قدر یہ عادت راسخ ہوگی اسی قدر فحش کلامی کی عادت ختم ہوتی چلی جائے گی، کیونکہ زیادہ طاقت ور اور زیادہ مثبت قدر نے اس کی جگہ گھیر لی ہے۔

دوسرا امر گھروں میں بے وجہ جھگڑا کرنا، میاں بیوی کا تیز کلام کرنا، ایک دوسرے کو طعنے دینا، خاوندوں کا یہ سمجھنا کہ ہم ایک لونڈی اٹھا لائے ہیں جو ہمارے ماں باپ کی بھی اسی طرح لونڈی ہے جس طرح ہماری ہے اور اس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت ہی نہیں اور نہ ہی اس کے کوئی احساسات

ہیں۔اس کے ماں باپ کو گالی دے دی جائے تو یہ ہمارا حق ہے لیکن اگر وہ ہمارے ماں باپ کا احترام چھوڑنا تو درکنار ذرا سی بے اعتنائی بھی کرے تو ہمارا حق ہے کہ اسے جوتیاں ماریں، گالیاں دیں، اس کے ماں باپ کو کوسیں اور ذلیل ورسوا کر کے نکال دیں۔معاشرہ کا یہ رجحان نہایت ہی ظالمانہ اور جہنم پیدا کرنے والا ہے اور یہ آپ کی تسکین کی جنتیں ختم کر دے گا۔اس کے برعکس بعض عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ ہمارا تو حق ہے کہ ہم بدکلامی کریں، شور ڈالیں، کسی کے ماں باپ کو گالیاں دیں مگر خاوند کا یہ حق نہیں کہ وہ برا منائے یا ہمارے ماں باپ کے متعلق کچھ کہے۔

پس اس صورت حال نے معاشرہ میں اتنے دکھ پیدا کئے ہوئے ہیں کہ جس گھر میں یہ واقعہ ہوتا ہے صرف وہیں تک محدود نہیں رہتا بلکہ رشتہ داریوں کے تعلقات کے نتیجہ میں اردگرد پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اور ایسا معاشرہ جس کی تعریف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک مومن کے معاشرہ کے طور پر کی ہے اس میں تو یہ دکھ اس تیزی سے ہر جگہ سرایت کرتا ہے کہ ہر گھر کا دکھ دوسرے گھر کا دکھ بن جاتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مومنوں کی مثال تو ایک بدن کی سی ہے۔جس طرح پاؤں کی انگلی کے کنارے پر بھی ایک کانٹا چبھے تو سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے۔(صحیح مسلم کتاب البر والصلوۃ باب تراحم المومنین وتعاطفھم) اسی طرح اگر ایک احمدی گھرانے میں بھی دکھ پہنچے گا تو جس جس احمدی کو علم ہوتا چلا جائے گا وہ دکھ محسوس کرنا شروع کر دے گا۔تو بجائے اس کے کہ آپ کا طرز عمل معاشرہ میں جنت پیدا کرنے والا ہو آپ جہنم کیوں پیدا کرتے ہیں؟۔اس طرح آپ خود بھی دکھ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی دکھ کا سامان کرتے ہیں۔

میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ جب تک رہتے ہیں حسن اخلاق سے رہنا چاہئے۔اگر حسن اخلاق سے نہیں رہ سکتے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ احسان کے ساتھ جدا ہو جاؤ لیکن جدائی میں بھی احسان کا پہلو مدنظر رہے اور کوئی تلخی نہ پائی جائے۔یہ ہے اسلامی معاشرہ لیکن اس کے برعکس جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ماحول گندا ہو چکا ہے اور جماعت پر بھی ان باتوں کا بہت برا اثر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس بدی کو دور کرنے کے لئے کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔قرآن کریم نے اس کا بہت ہی پاکیزہ حل بیان فرمایا ہے اور ایک مثبت طاقت آپ کو عطا کی ہے۔قرآن کریم نے جہاں نکاح کا مضمون بیان کیا ہے وہاں فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النساء:۲)

کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا واسطہ دے کر تم مانگتے ہو اور اپنے لئے خیر طلب کرتے ہو وَالْاَرْحَامَ اور ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ رحموں کا حق ادا کرنا۔ اس میں انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے ماں باپ کا حق تو تم ادا کرتے ہی ہو تنبیہ کا خاص پہلو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دو رحموں کے رشتے آپس میں ہو رہے ہوتے ہیں، جب ایک کے ماں باپ کا تعلق اپنی بیٹی یا بیٹے کے ذریعہ دوسرے کے ماں باپ سے ہو رہا ہوتا ہے اور بیچ میں ایک سنگم پیدا ہو جاتا ہے، ایک ایسا مقام آجاتا ہے جہاں میاں بیوی کے ماں باپ دونوں کے ماں باپ بن جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اس بات کا خیال رہے کہ اب تمہارے ارحام کے تعلقات وسیع ہو رہے ہیں۔ اگر تمہیں ہم سے تعلق اور پیار ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تم سے رحمت کا سلوک کریں تو ان رحمی رشتوں کا خیال رکھنا اور کوشش کرنا کہ جس طرح اپنے ماں باپ سے پیار کرتے ہو اور خدمت کرتے ہو دوسرے کے ساتھ بھی کرو۔ یہ ایک ایسا مثبت نظریہ ہے کہ اگر دونوں میاں بیوی یہ کوشش کریں کہ اپنے ماں باپ سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم اپنے ماں باپ کی طرح ہی ایک دوسرے کے ماں باپ کا خیال رکھیں تو اس طرح دونوں میں ایثار پیدا ہو جائے گا دونوں میں ایک دوسرے سے زیادہ محبت پیدا ہو جائے گی اور بعض اوقات جو زیادتیاں ہو جاتی ہیں وہ بالکل پلٹ جائیں گی، جہنم کی بجائے جنت بن جائے گی لیکن اگر آپ عبادت تو کرتے رہیں مگر ان باتوں کا خیال نہ کریں اور معاشرہ میں گالی گلوچ ہو تو اس کے نتیجہ میں بدخلقی زیادہ ہو جائے گی لیکن اگر ذکر الٰہی کی عادت ہو تو آپ کو ایک دوسرے کے رحمی رشتوں کا لحاظ کرنے کی زیادہ توفیق ملے گی۔

پس یہ دونوں خوبیاں ایسی ہیں جن سے ایک دوسرے کو تقویت ملتی ہے اس لئے آپ ذکر الٰہی پر بہت زور دیں، نماز، ذکر الٰہی اور درود شریف سے اپنی زبان اور اپنے دل کو تر رکھیں تو پھر جب کبھی آپ عادتاً فحش کلامی کرنے کی کوشش کریں گے تو آپ کا نفس آپ کو جھنجھوڑے گا اور متوجہ کرے گا کہ بھئی تم کیسے انسان ہو کہ دودھ کے لئے وہی برتن اور پیشاب کے لئے بھی وہی۔ کھانے کے لئے بھی وہی اور گندگی کے لئے بھی وہی برتن استعمال کرتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی۔ ذکر الٰہی سے دل و جان معطر کرتے کرتے اس میں ایسا گند ڈال دیتے ہو۔ کیا اس منہ کو جس پہ محمد رسول اللہ ﷺ اور خدا تعالیٰ کا نام چل رہا ہو یہ گند زیب دیتا ہے؟ آپ کا نفس ہی آپ کو توجہ دلائے گا اور رفتہ رفتہ آپ

پاکیزگی کے ایک لامتناہی سفر کی طرف رواں دواں ہو جائیں گے اور جب آپ اللہ تعالیٰ کی خاطر ایثار کریں گے اور اس کی خاطر دوسرے کے ماں باپ کا خیال رکھیں گے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ دوسرا فریق آپ کے والدین کا پہلے سے بڑھ کر خیال نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم یہ بنیادی بات ہمیشہ اپنے اندر امتیازی شان کے ساتھ قائم رکھیں کہ جو نصیحت سنیں اس پر دلی شوق اور جذبہ سے عمل کرنا شروع کر دیں اور معاشرہ میں اس طرح کی ایک رو پیدا ہو جائے کہ کانوں میں چلو نیکی کریں، چلو نیکی کریں کی آواز پڑتے ہی نیکی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ شروع ہو جائے۔ اگر آپ اس روح کی حفاظت کرتے چلے جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس دنیا کو جنت بنانے والے صرف اور صرف احمدی ہوں گے اور ہماری جنت کے ذریعہ ہی دنیا کی جہنمیں تبدیل ہوں گی، ہماری ہی وہ زمین ہوگی جو خدا تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق پھیلتی چلی جائے گی۔ یہی وہ جنت ہے جو تمام دنیا پر غالب آنے کے لائق ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ ہی کو توفیق ملے گی کہ وہ اس جنت کو دنیا میں غالب کر دے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا:

آج ایک انتہائی دردناک واقعہ ہوا ہے جس سے دل بہت ہی مضمحل ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دل میں ایک گہرا زخم لگا ہے کیونکہ آج سلسلہ کا بہت ہی پیارا خادم اچانک ایک حادثہ میں ہم سے جدا ہو گیا۔ یعنی مولانا عبدالمالک خان صاحب جو ایک تبلیغی جہاد پر روانہ ہوئے تھے شیخوپورہ کے قریب ایک حادثہ میں شدید زخمی ہوئے اور جب تک ایک ہسپتال کی بدانتظامی سے تنگ آ کر دوسرے ہسپتال میں منتقل کیا گیا اس دوران آپ وفات پا گئے۔ اس واقعہ کی اطلاع ابھی جمعہ کے لئے آنے سے پہلے لاہور سے فون پر ملی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

ہمارا دل بے حد مغموم ہے کیونکہ سلسلہ کا ایک نہایت ہی فدائی خادم جو ہندوستان کے چوٹی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کو قبول کیا اور دنیا کی عزت کو دھتکار دیا۔ وہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کے آباؤ اجداد کی سارے ہندوستان میں عزت کی جاتی تھی اور کی جاتی ہے لیکن ان کے والد صاحب نے ان ساری عزتوں کو تج کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن پکڑا اور اللہ کی دی ہوئی عزت کو ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا۔

آپ نے ایک امیرانہ زندگی چھوڑ کر ایک فقیرانہ زندگی اختیار کی اور اپنے والد صاحب کے نقش قدم پر چل کر انہی صفات سے مزین ہوئے۔ ساری اولادوں میں سے آپ کو یہ امتیازی مقام حاصل ہوا کہ نہ صرف وقف کیا بلکہ وقف کے تقاضوں کو خوب نبھایا۔ گرمی اور سردی میں، صحت کی کمزوری میں، خدمت دین کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ آپ پرسوں مجھ سے ملے اور اجازت لی کہ میں فلاں سفر پر جا رہا ہوں اسکے بعد فلاں جگہ ضرورت ہے وہاں جاؤں گا، پھر فلاں جگہ جاؤں گا۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ کی صحت بہت کمزور ہوگئی ہے پاؤں پر زخم اور شوگر کی تکلیف ہے، عمر کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ اتنا بوجھ نہ لیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضور! بوجھ کیسا میں تو بہت خوش ہوتا ہوں اور میرا دل ان باتوں سے کھل اٹھتا ہے اس لئے مجھے اجازت دے دیں کہ میں دینی سفر پر رہا کروں۔ جتنا زیادہ میں سفر کرتا ہوں اتنا ہی میری طبیعت ہشاش بشاش ہوتی چلی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس جذبہ کو قبول فرمایا اور اسی سفر کی حالت میں آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ غم کتنا بھی ہو ہم تب بھی اپنے اللہ کی رضا سے راضی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو گرنا تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہمیں نرم دل بنا دیا اور انسانیت سکھائی لیکن جزع فزع کی ہمیں اجازت نہیں، نہ ہی وہ ہماری سرشت میں داخل ہے، نہ مایوسی کا ہمیں سبق دیا گیا، نہ مایوسی سے ہم آشنا ہیں۔ قومیں زندہ رہتی ہیں اور افراد گزرتے چلے جاتے ہیں اور زندہ قومیں قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کرتیں کہ کون آیا اور کون گیا۔ بحیثیت قوم ان کی زندگی کا سفر ہمیشہ آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جماعت احمدیہ بھی ایک زندہ قوم ہے جانے والوں کے جانے سے دکھ تو ضرور پہنچتا ہے لیکن مایوسی پیدا نہیں ہوتی۔ مجھے امید ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر جانے والے مقابل پر سینکڑوں ہزاروں اس جیسے پیدا کر دیا کرے، ایک عبدالمالک کو بلائے تو جماعت کو ہزاروں لاکھوں عبدالمالک عطا کر دیا کرے کیونکہ دنیا کو مخلصانہ خدمت کرنے والوں کی بے حد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہمارا دامن خدمت کرنے والوں سے کبھی تہی نہ رکھے اور دن بدن واقفین کی جماعت کی رونق میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے، روز بروز خدا کے فرشتے دلوں میں تحریک کریں کہ ایک کی جگہ خالی ہوئی ہے تم دس، بیس، سو اور ہزاروں آگے بڑھو اور لبیک کہہ کر اپنے آپ کو پیش کرو کہ ہم اس جگہ کو پر کرنے کے لئے حاضر ہیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۸ / اگست ۱۹۸۳ء)